ڈاکٹر صائمہ اقبال
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

سعدیہ باقر
ایم۔فل اسکالر شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

Dr. Saima Iqbal
Assistant Professor, Dept. of Urdu, GCU Faisalabad

Sadia Baqir
M.Phil Scholar, Dept. of Urdu, GCU Faisalabad

صفیہ حیات کی شاعری میں تمثالوں کا حسیاتی ادراک

Sensory Perception of images in Safia Hayat's poetry

Abstract: Metaphors are the best means of image in poetry, or image are the practical expression of similes for the poets, as if similes and metaphors are like colors with the help of which poets fill in colors in their imaginative pictures. But image is a broader term than simile and metaphor. In the twentieth century these terms became a regular part of Western criticism. In the early decades of the twentieth century, "imagery" became a movement in the West. Safia Hayat writes poems related to private life with feminine thoughts and ideas and in this regard. She has become a hallmark in Urdu literature. Her first collection of poetry "Hawa Se Mukalma" was published .You have incorporated the art of imagery in your poetry in a very beautiful way. Safia Hayat has presented various aspects of personal, social and contemporary collective life in feminine style in her speech. The illustrations created by you are a reflection of the intensity of emotions and the bitterness of life. Therefore, there is a lot of satire on the patriarchal society here. In this article presented the Imagery in Safia Hayat poetry.

Key Words: Metaphors, feminine, imagery, illustrations, contemporary.

امیج یا امیجری کی اصطلاحیں مغرب سے اردو تنقید میں آئیں۔ مغربی تنقید میں یہ اصطلاحیں اپنے مفہوم کے اعتبار سے نئی نہیں ہیں۔ لفظ امیج فرانسیسی لفظ Imagery سے آیا ہے۔ ایک مفہوم کے مطابق بت تراشی کے نمونے امیج کہلائے۔ مناظر قدرت کی تصویر کشی کے لیے بالعموم Image کا لفظ استعمال ہوا حتی کے فنکار یا اشعار کے ذہنی اور حسی پیکر بھی Image کہلائے۔ بعد ازاں اصطلاح کا اطلاق ادبیات پر ہوا۔

بیسویں صدی میں یہ اصطلاحیں مغربی تنقید کا باقاعدہ حصہ بنیں۔ بیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں " امیجری" نے مغرب میں ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ اس تحریک کے بانیوں میں ہیوم، فلنٹ، لوول اور ایزرا پاونڈ کا نام فہرست ہے۔ ۱۹۱۲ء میں ایزرا پاؤنڈ کی کتاب Resposts کو امیج ازم تحریک کے سنگ اولین کی حسیت حاصل ہے۔ ہیوم اور ایزرا پاؤنڈ نے تماثل سازی کے حسّی پہلوؤں کو پیش نظر رکھا۔ اردو تنقید

میں امیج کو وصف، محاکات، تصویر آفرینی، حسّی تلازموں اور پیکر تراشی جیسے نام دیے گئے مولوی عبدالرحمٰن کے نزدیک امیج وصف ہے۔

"جو شعر منہ سے نکلتا ہے۔ عالم کلام میں باغ جنت کا پھول بن جاتا ہے۔ یعنی اصوات کی ہو بہو تصویر بن جاتی ہیں" (۱)

عبدالرحمن بجنوری شاعری کو مصوری ہی کی ایک قسم کا قرار دیتے ہیں۔ شبلی نعمانی شاعری کی اس خصوصیت کو محاکات خیال کرتے ہیں۔

"محاکات کے معنی کسی چیز یا حالت کا اس طرح ادا کرنا ہے کہ اس شے کی تصویریں آنکھوں میں پھر جائے۔" (۲)

تمثال امیج کی متبادل اصطلاح کے طور پر اس لیے بھی موزوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ امیج کی دیگر اصطلاحات کا احاطہ بھی کرتا ہے۔ اس لیے امیجری کے لیے تمثال کاری اور امیج کے لیے تمثال کی اصطلاح پر اکتفا کیا ہے۔

انسان کا بنیادی تعلق حواس کے ساتھ ہے۔ اس لیے انسانی حیات کے حوالے کے پیش نظر نقادوں نے اپنے اپنے طور پر تمثال کے مفہوم کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔

اے ایف اسکاٹ لکھتے ہیں:

"A distinguishable part of a poem is imagery,not only,is the poet maker of verbal music,he is also a maker of picture in words.He does not have present the symbol of thing he describes and makes us see and hear the thing itself(۳)

شاعرانہ تمثال یا امیجری پر قابل قدر کام جس انگریز نقاد نے کیا ہے وہ سی۔ ڈی لیوس ہیں۔ سی۔ ڈی لیوس شاعرانہ تمثال poetic image کے اظہار یا پیش کش کے لیے تشبیہ، استعارے کے استعمال کی تائید کرتے ہیں۔

شاعری میں تمثال کاری کا عمدہ وسیلے استعارے ہوتے ہیں یا پھر تشبیہات انہی کے ذریعے شعرا کے ہاں تمثال کا عملی اظہار ہوتا ہے گویا تشبیہیں اور استعارے رنگوں کی طرح ہوتے ہیں جن کی مدد سے شعراء اپنی تخیلی تصویروں میں رنگ بھرتے ہیں۔ لیکن امیج تشبیہ اور استعارے کے مقابلے میں وسیع المعانی اصطلاح ہے۔ امیج کی اصطلاح تشبیہ اور استعارہ کو اپنے اپنے دائرہ کار میں اس طرح شامل کر لیتی ہے کہ ہر تشبیہ و استعارہ امیج کہلائے جانے کے قابل بن جاتا ہے ویسے بھی شاعرانہ تمثالیں یا تصویریں تشبیہ اور استعارہ ہی کے وسیلے سے وجود میں آتی ہیں۔

قرآن پاک کی تشبیہات،، استعاروں، تمثیلوں اور قصص میں ایسی با معنی تمثیلیں موجود ہیں جو نہ صرف فصاحت و بلاغت کا شاہکار ہیں بلکہ قرآن پاک کا معجزاتی اسلوب تمثال کاری کو ایک شعری محرک کے طور پر سامنے لاتا ہے۔ قرآنی سورتوں میں موجود تمثالوں کی موجودگی سے قرآن پاک کے طرز بیان میں تمثالوں کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

ترجمہ: بلاشبہ تھوہر کا درخت، گنہگار کا کھانا ہے۔ جیسے پگھلا ہوا تانبا۔ پیٹوں میں اس طرح کھولے گا۔ جس طرح گرم پانی کھولتا ہے۔(۴)

بائبل میں مذکورہ شعری اسلوب میں تشبیہات اور استعارات کے نادر نمونے بھی شامل ہیں جن کی عمدہ اور مؤثر تمثالیں، امثال اور غزل الغزلات کا حصہ ہیں۔ امثال کی کتاب مقولوں اور ضرب المثال کی صوات میں ان مذہبی اور اخلاقی تعلیمات کا مجموعہ ہے ان میں سے اکثر و بیشتر کا تعلق روزمرہ کی عملی زندگی سے ہے۔ '' امثال'' میں انکساری، عاجزی، صبر و تحمل، غریبوں کے احترام اور دوستوں سے وفاداری جیسی خوبیوں کو عمدگی سے پیش کیا گیا ہے۔

"صادقوں کی راہ نور سحر کی مانند ہے جس کی روشنی دوپہر تک بڑھتی ہی جاتی ہے" (۵)

"کیا یہ ممکن ہے کہ آدمی اپنے سینہ میں آگ رکھے اور اس کے کپڑے نہ جلیں؟ یا کوئی انگاروں پر چلے اور اس کے پاؤں نہ جھلسیں۔" (۶)

تقسیم پاکستان سے پہلے اور بعد کے سیاسی، سماجی اور تہذیبی تناظر میں شاعروں پر جو اثرات مرتب ہوئے ان اثرات کی واضح لہر اردو ادب کے تمام دبستانوں کے شعرا کے کلام میں تمثالوں کی صورت میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ شعرائے اردو کے فرداً فرداً تجزیے سے تمثال کاری کے خارجی اور داخلی رجحانات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اسی حوالے سے جدید شعراء میں ایک اہم نام صفیہ حیات کا ہے۔ صفیہ حیات نے ۱۹۸۲ء میں لکھنے کا آغاز کیا اور ابھی تک لکھ رہی ہیں۔ انھوں نے جب پہلے نظم لکھی تھی تو وہ ساتویں کلاس کی طالبہ تھی۔ انھوں نے اخبار اور ادبی رسالوں میں بھی لکھا جن میں: روزنامہ عوام، روزنامہ امن، روزنامہ اوصاف، روزنامہ نئی بات شامل ہیں۔

صفیہ حیات تانیثی افکار و نظریات کی حامل نجی زندگی سے متعلق نظمیں لکھتی ہیں اور اس حوالے سے اردو ادب میں ایک پہچان بن چکی ہیں۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ '' ہوا سے مکالمہ'' ۲۰۱۹ء میں سانجھ پبلیکیشنز سے ۲۰۱۹ء میں شائع ہوا۔ اس کتاب میں کل ۶۷ نظمیں شامل ہیں جن میں سے زیادہ تر عورتوں کے مسائل اور حقوقِ نسواں اور احتجاج کی فضا میں گندھی ہوئی ہیں۔

جب بھی نثری نظم کا ذکر ہوتا ہے تو دماغ خود بخود ان ناموں کی طرف چلا جاتا ہے جنھوں نے اس صنف میں بہت خوبصورت نظمیں کہیں اور ان نظموں کی وجہ سے اردو ادب میں نثری نظم کو تسلیم کیا گیا۔ ہم ماضی میں دیکھ سکتے ہیں کہ کس طرح سے نثری نظم کی مخالفت کی گئی ہے لیکن اس کے باوجود نثری نظم نے اپنی جگہ بنائی۔ ثروت حسین اور ذیشان ساحل جیسے شاعروں نے اسے پہچان عطا کی۔ اسی کے ساتھ زاہدہ حنا، کشور ناہید اور پروین شاکر جیسی شاعرات نے بھی نثری نظم میں اپنا حصہ ڈالا لیکن نثری نظم کا اہم پڑاؤ ثروت حسین اور ذیشان ساحل کے ہاں نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے جدید شاعروں نے اس میں طبع آزمائی کی ہے اور یہ کارواں اپنی منزل کی طرف گامزن ہے جس میں ایک نام صفیہ حیات کا بھی ہے۔ نثری نظم کے بہت سے رنگ ہیں جو تمثال نگاری کی صورت میں مختلف موضوعات کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ جمال آفرینی اور تمثال نگاری جیسی خصوصیات کے بغیر نثری نظم باقی اصناف کے مقابلے میں کمزور پڑتی نظر آتی ہے لیکن صفیہ حیات جیسی شاعرہ نثری نظم کے فن سے باخوبی واقف ہے۔ وہ تانیثی پیرائے میں نظم میں رنگ بھرنے کی ماہر ہیں۔ اس نے عورت کے دکھ کو شعوری سانچے میں ڈھال کر آئینہ سازی کا کام انجام دیا ہے۔ جس میں ہر عکس صاف اور واضح نظر آتا ہے۔ صرف یہی نہیں ان کی نظموں میں شعوری اور لاشعوری طور پر ایسا فلسفہ حیات پایا جاتا ہے جو عورت کے ادھورے پن کو مکمل کرتا ہے۔

بالکل اسی طرح جیسے مختلف رنگ مل کے ایک خوبصورت پینٹنگ بناتے ہیں۔ مگر زندگی کو سمجھنے کے لیے ایک پینٹنگ کافی نہیں ہے۔ یہ وہ دھند ہے جو سورج کی آب وتاب کے ساتھ زیادہ اور کم ہوتی ہے۔ نظموں کے اس تصوراتی جہان میں صفیہ حیات کا ذرا "ہوا سے مکالمہ" دیکھئے :

میں موت سے طلاق لے کر

زندگی سے بیاہ رچاتے

اپنی ہتھیلی پہ اس کا نام لکھوں گی

جس کے ساتھ مجھے بھاگ کر شادی کرنا تھی

مجھے کبھی بھی پسند نہیں رہا

حوروں کی ملکہ بننا

اور وہ بھی اس کی

جو دنیا میں مجھے خوش کرنا نہیں جانتا

میں نے کیا کرنی ایسی جنت

جس کے لالچ میں شادی کے نام پہ ناجائز بچے جنیں جائیں

چادر چار دیواری میں رشتے درندے بن جائیں

محرم کی اولاد کوڑے دان میں پھینکنی پڑے

میں ہر بار ممنوعہ پھل کھاؤں گی

مجھے وہاں نہیں رہنا جہاں ریشمی اطلس پہنے عورتیں

میرے محبوب کو جنسی دعوت دیں

اور میں نگینے جڑے تخت پہ بیٹھی انتظار کروں (۷)

افسوس کی بات ہے کہ بیس صدیاں گزرنے کے بعد بھی عورت کو اس کے حقوق نہیں دیے گئے۔ جو آزادی اسلام نے اسے دی وہ مذہبی ٹھیکیداروں نے اپنی ذاتی سوجھ بوجھ کی نذر کر دی۔ معاملات ٹھیک ہونے کی بجائے اور بھی خراب ہو گئے۔ اسے ہمیشہ سے پنجرے میں قید رکھا گیا۔ اس پر اپنی مرضی سے فیصلے مسلط کئے گئے۔ مگر ان پنجروں میں عورت آج بھی پھڑ پھڑا رہی ہے۔ اس نے اس قید خانے میں رہنے سے انکار کر دیا ہے اور اس

چُوری سے بھی جو اسی پنجرے میں دی جاتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آج عورت ہوا سے مکالمہ کرنے پر مجبور ہے چونکہ مردوں نے اس کی آزادی کے تمام راستے بند کر دیے ہیں۔ عورت نے ہمیشہ غلامی پر موت کو ترجیح دی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ہندوستانی عورتوں نے ظلم بڑھنے پر اندھے کنوؤں میں چھلانگیں لگائی ہیں۔ صفیہ حیات بھی ایسی ہی ایک بہادر ہے خاتون ہے جس نے غلامی پر آزادی کو ترجیح دی ہے۔ اس امر میں چاہے اسے موت کو کیوں نہ گلے لگانا پڑے۔ یہ ایسی تمثال کاری ہے جو ہر دور کی عورت کے مسائل کی عملی تصویر ہے۔ جب مرد کی انا بے نقاب ہوئی تو اس نے مذہب کا سہارا لیا اور عورت کو سبز خواب دکھانے کی کوشش کی تاکہ اس کی عورت پر حاکمیت برقرار رہے۔ مگر باشعور عورت نے ایسی آسائشوں کو بھی ٹھکرا دیا جس میں اس کی مرضی شامل نہیں تھی۔ وہ مذاہب سے انحراف چاہتی ہے۔ وہ آزادی چاہتی ہے ہر اس چیز سے جو اس کے راستے میں رکاوٹ ہے۔ جس کا اظہار صفیہ حیات نے "مجھے پرندہ بننے دو" سے مثال دیکھیے۔

زندگی یہ تو نہیں

کہ ہونٹ بدبداتے

دانے گراتے

حالتِ قیام میں رہیں

مندر میں رام کا رٹا لگائیں

چرچ میں صلیب پہ لٹکے رہیں

گردوارے میں سر جھکا کے بیٹھے رہیں

دل کا تو کوئی مذہب نہیں ہوتا

ہمیں جنت کا پیکج مت دو

خداؤں کے بغیر زندہ رہنے دو

ہمیں پرندے بننے دو

پرندے

جن کا کوئی مذہبی پیشوا نہیں ہوتا (۸)

پرندے ہمیشہ سے کسی بھی زبان کے ادب میں آزادی کا استعارہ رہے ہیں۔ ہر دور کے انسان نے ان سے محبت کی ہے۔ کبھی کبھار تو لگتا ہے کہ پرندے اور عورت روئے زمین پر خدا کی مصوری اور تمثال نگاری کی علامت ہیں۔ عورت کو قید کر کے مرد نے شکاری کا روپ دھار لیا ہے۔ شکاری کسی

بھی رنگ روپ, نسل, مذہب سے تعلق رکھتا ہو شکاری ہی رہتا ہے۔اس کا کام شکار کرنا ہوتا ہے پھر چاہے وہ عورت شکار کرتا ہو یا پرندے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔شکاری کو بعض اوقات شکار کرنے کے لیے بھیس بدلنا پڑتا ہے۔وہ بہت احتیاط سے دانا ڈالتا ہے تاکہ پرندوں کو شک نہ گزرے۔ اسی طرح شکاری مرد بھی مذہبی لبادہ اوڑھ لیتا ہے اور دانے کے طور پر جنت کا جھانسا دیتا ہے تاکہ عورت کو بیوقوف بنا سکے۔بہت سے پرندے اور عورتیں بیوقوف بن بھی جاتی ہیں لیکن صفیہ حیات جیسی باشعور عورت جانتی ہے کہ یہ سب تدبیریں اس کی آزادی سلب کرنے کے لیے اختیار کی گئی ہیں۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ صفیہ حیات موجود تانیثی ادبی منظر نامے کی توانا آواز ہیں۔وہ عورت کی آزادی سمیت ہر قسم کے ظلم و ستم کی روک تھام میں اپنا کردار ادا کر رہی ہیں۔وہ عورت کے ہر روپ کی سپاہی ہیں۔"جیلر, لڑکی اور نظم" جیسی نظمیں اس کی بہترین مثال ہیں جس میں انہوں نے عورت پر مظالم کی بہترین تصویر کشی کی ہے۔

سہاگ رات لڑکی نے جب گھونگھٹ اٹھاتے

اسے اپنی اوّلیں نظم سنائی

تو

جیلر نے نظم پھاڑتے ہوئے کہا

"قیدی لڑکی نظم نہیں لکھ سکتی"

وہ نظم کے ٹکڑے فضا میں اڑتے دیکھتی رہی ,

روتی رہی

چپ کی لے پہ

اس کے پاؤں تھرکتے رہے

زرد پتوں کے رنگ میں

دوپٹہ رنگتے لڑکی نے

جانے کب کیاری میں کھلنے والے

قرمزی پھول کو

اپنی نظم کا نام دے کر چوم لیا

اب وہ جیلر سے آنکھ بچا کر

آدھا کپ کافی لیے

قرمزی پھول کے پاس بیٹھ کر

نظم کو چومتی رہتی ہے

نظم سے باتیں کرتے کہتی ہے

"تم مجھے بہت اچھے لگتے ہو"

جیلر مطمئن ہے

لڑکی اب نظم نہیں لکھتی(۹)

معاشرے میں مرد کی حاکمیت ہمیشہ سے رہی ہے۔ عورت کو اپنی پراپرٹی سمجھنے والے تمام مرد ایک جیسے ہوتے ہیں۔ان کی بہترین مثال جیلر کی سی ہے جسے شاعری نے بہترین انداز میں استعاراتی رنگ میں نبھایا ہے۔ نظم کی ہر سطر میں کوئی نہ کوئی تصویر ابھر کر سامنے آرہی ہے۔ جیسے یہ کوئی نظم نہ ہو بلکہ فلم ہو۔ ہمارے مشاعرے میں عورت کے اظہارِ محبت پر پابندی لگانے والوں کو صفیہ حیات نے جو تصویر دکھائی ہے انھیں کہیں پر منہ چھپانے کی بھی جگہ نہیں ملے گی۔ آزادی انسانی جبلت میں شامل چیز ہے جسے کسی صورت بھی ختم نہیں کیا جاسکتا۔ اگر آپ اسے دبانے کی کوشش کریں گے تو یہ کسی روپ میں سامنے آئے گی۔ یہ محبت جیسے خوبصورت جذبے کے ساتھ جیتی ہے۔ محبت کبھی نہیں مرتی۔ یہ خودرو پودے کی طرح اگتی رہتی ہے آپ چاہے اسے جس درانتی سے جتنی بار بھی کاٹ لیں یہ دوبارہ اگ آتی ہے۔اور قرمزی پھول سیاہی مائل گہرے سرخ پھول کو کہتے ہیں جسے عام طور پر محبت کا پھول تصور کیا جاتا ہے۔ پھول کے ساتھ بیٹھی عورت کی تصویر پیش کرنا بھی ایک گہری تمثال نگاری ہے۔

صفیہ حیات کے ہاں تانیثی اعتبار سے بہترین تصویریں ملتی ہیں جو قاری کو پڑھتے وقت اداس کر دیتی ہیں۔ ہمارے معاشرے میں جس طرح کی لاقانونیت ہے وہ ہر طاقتور انسان کی آنکھوں سے چھلکتی ہے۔اس ظلم کو روکنے والے ہمارے محافظ بھی اکثر اوقات اس ظلم میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ یہ نظم بھی ایک بس ہوسٹ لڑکی کے قتل پر لکھی گئی ہے جسے ہمارے محافظوں نے موت کی گھاٹ اتارا تھا۔

صفیہ حیات نے "بجھتی چنگاری" جیسی نظم لکھ کر اس پر مزید روشنی ڈالی ہے۔

لاٹھی ٹیکتی بوسیدہ سوچ کی

بھر بھری اینٹوں کے

اس دیس کی آنکھوں میں

کالا موتیا اتر آیا ہے

آؤ لڑکیو !

کونجیں بن کر یہاں سے کوچ کر جائیں

اس کالے پانی میں

سیاسی مگرمچھوں کے محافظ

دھمکیوں کے زور پہ فائر کھولتے

غریب چولہوں کی چنگاریاں بجھا دیتے ہیں (۱۰)

ایک حساس شاعرہ میں حسّاسیت کے ساتھ ساتھ دلیری اور جمالیات احساس بھی شدت سے پایا جاتا ہے اور یہ احساس صفیہ حیات کے ہاں بھی جابجا دیکھنے کو ملتا ہے۔ ان کی نظم "شرارت" سے اس کی بہترین تصویر ہے۔

نیلی چڑیا نے

ندی کے چمکتے پانی میں

سورج کو نہاتے دیکھا

اس نے سبز شاخوں پہ جھولتی

روپہلی کرنوں کے سنگ

پانی میں شرارت کرتے

پر کیا بھگوئے

اف !

سارا پانی نیلگوں ہو گیا (۱۱)

بعض اوقات انسان اس دنیا سے دور ایک الگ تصوراتی و خیالاتی کائنات میں کھو جاتا ہے جو حقیقی دنیا سے بہت مختلف اور نہایت خوبصورت ہے ۔ جہاں رنگ اور تصویریں ہیں۔ یہ نظم بھی ایسی ہی ایک نیچرل اور جمالیاتی نظم ہے۔ جس میں تصوراتی کائنات کی چہل پہل ہے۔ جسے پڑھتے ہوئے قاری تصوراتی کائنات کی سیر میں گم ہو جاتا ہے۔ یہ چلتی پھرتی نظم کسی چڑیا جیسی خوبصورت ہے۔

صفیہ حیات کی شاعری میں یہ خوبصورت تمثالی سلسلہ چلتا ہوا ایک بار پھر عورت کے غمگیں سمندر میں جا گرتا ہے۔ جس کے بعد "دھوپ میں بارش" جیسی نظموں کا آغاز ہوتا ہے۔

وہ رنگوں کو گھول کر دھنک بنا رہی تھی

رنگوں میں گرے آنسو نے

رنگ کاٹ کا کام کیا

سب رنگ بے رنگ ہو گئے

وہ جنگل میں لکڑیاں کاٹ کر کشتی بنانے لگی

جنگل میں آگ لگی

اور کشتی جل کر راکھ ہو گئی

لوحِ محفوظ پہ لکھے مقدر کو

اس نے ٹالنا چاہا

وہ لڑھکتی پہاڑ کی آخری چوٹی سے گری

موت نے آنے سے انکار کر دیا (۱۲)

یہ نظم ایک ایسی تصویر ہے جو عورت کی پیدائش سے لے کر اب تک کی غم زدہ داستان ہے۔ عورت کا پہلا خواب کوئی بھی لیکن رنگ اور بارش اس کی اوّلین ترجیح رہے ہیں۔ اور اس کے بعد اس کے مصائب کا آغاز ہوتا ہے۔ عورت میں خدا نے ایک خاص خوبی یہ بھی رکھی ہے کہ وہ مصور پیدا ہوئی ہے۔ وہ رنگوں اور چیزوں کو ترتیب دینا جانتی ہے۔ اس نے گھنے جنگلوں کو کھیتوں میں تبدیل کیا۔ اس نے کشتی میں گھر بنایا اور لکڑیوں کے ساتھ خود بھی چولہے میں جلتی رہی۔

مختصر یہ کہ صفیہ حیات نے دیگر نامور شاعرات جیسے کہ کشور ناہید، پروین شاکر، فہمیدہ ریاض، فاطمہ حسن، شاہدہ حسن، زہرا نگار، سارہ شگفتہ، ادا جعفری کی طرح زندگی کے مختلف موضوعات کو تمثال کاری کے ذریعے پیش کیا ہے۔ انھوں نے بہت خوبصورت انداز میں تمثال کاری کے فن کو اپنی شاعری میں سمویا ہے۔ صفیہ حیات نے اپنے کلام میں ذاتی، سماجی اور عصری اجتماعی زندگی کے مختلف زاویوں کو نسائی اسلوب میں پیش کیا ہے۔ ان کی تخلیق کردی تمثالیں جذبات کی شدت اور زندگی کی تلخیوں کی عکاس ہیں۔ لہٰذا یہاں پدرسری معاشرے پر طنز کی فراوانی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ عبدالرحمن۔ مراۃ الشعرا۔ لکھنؤ: اترپردیش اکیڈمی، ۱۹۷۸ء۔ ص ۱۴۴

۲۔ شبلی نعمانی۔ شعر العجم (جلد، ۴) لاہور: مقبول اکیڈمی ۱۹۸۱ء۔ ص ۸

۳۔ A.F.Ascat ۔ A Concise Dictionary, London: Oxford University press p, p.139

۴۔ الدخان: ۴۳

۵۔ امثال ۱۸: ۴

۶۔ امثال ۷ : ۲۸: ۲۷

۷۔ صفیہ حیات۔ ہوا سے مکالمہ۔ لاہور: سانجھ پبلشرز، ۲۰۱۹ء۔ ص ۱۳۱

۸۔ ایضاً۔ ص ۲۹

۹۔ ایضاً۔ ص ۵۱

۱۰۔ ایضاً۔ ص ۸۹

۱۱۔ ایضاً۔ ص ۹۸

۱۲۔ ایضاً۔ ص ۱۱۴